ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol. 6 No.1 2022

آزاد اُردو نظم کا جدید شاعر: جیلانی

کامران

Modern poet of Azad Urdu Nazm: Jilani Kamran

☆محمد اشرف
لیکچرار، شعبہ اُردو، ایمرسن یونیورسٹی، ملتان
☆☆ڈاکٹر طاہر عباس
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور
☆☆☆ڈاکٹر واصف اقبال صدیقی
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

Abstract

Jilani Kamran is a representative poet of modern Urdu poetry. In his poetic creations, his modern an intelligent mind of Pakistan has described the alienation, anguish, sadness, emptiness, meaninglessness, insensitivity, emotionlessness and insensitivity in his society. The need and importance of the Islamic Revolution in the realm of the Islamic world by making the 'Iranian Revolution' a symbol with the expression of Islamic renaissance, national and international events, modernity, existence, loneliness, psychosis Muqash, the color of Islamic and Ajami civilization and culture, the invasion of Western civilization, the different colors, flavors and scenes of stories related to our world and life in his poetry more coherently and intellectually in the context of modern Islamic civilization and culture. Are stated. This article concludes the ideology of Jilani Kamran.

Key Words: Jelani Kamran, Urdu Poetry, Islamic revolution, Islamic renaissance

جیلانی کامران جدید اُردو آزاد نظم کے ایک نمائندہ شاعر ہیں۔ "استانزے"، "نقشِ کفِ پا"، "باغِ دنیا" اور دیگر شعری تخلیقات میں اُن کے جدید ذہن اور پاکستان کے ایک ذہین فرد نے ہمارے معاشرے میں پائی جانے والی 'اجنبیت، کرب، دکھ، لایعنیت، بے معنونیت، جذبات واحساسات سے عاری بے حسی کو بیان کیا ہے۔ اسلامی نشاۃ الثانیہ کے اظہار کے ساتھ 'انقلاب ایران' کو علامت بنا کر حقیقی طور پر عالمِ اسلام میں اسلامی انقلاب کی ضرورت و اہمیت، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر نمودار ہونے والے واقعات، جدیدیت، وجودیت، تنہائی، نفسی کش مکش، اسلامی و عجمی تہذیب و ثقافت کا رنگ، مغربی تہذیب کی یلغار، ہماری دنیا و زندگی سے جُڑی کہانیوں کے مختلف رنگ، ذائقے اور مناظر ان کی شاعری میں جدید اسلامی تہذیب و ثقافت کے تناظر میں زیادہ مربوط و فکری طور پر بیان ہوئے ہیں۔ یہ آرٹیکل اسی تناظر میں ایک کاوش ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

کلیدی الفاظ: جیلانی کامران، جدید آزاد نظم، اسلامی نشاۃ الثانیہ، عالم اسلام، جدیدیت، تنہائی، اجنبیت، نفسی کش مکش

جدید اُردو نظم نگاری میں جیلانی کامران کو ایک نمایاں مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ جدید اُردو نظم کو ابتدا میں مولانا محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی، حفیظ جالندھری، اقبال، اختر شیرانی کے علاوہ ترقی پسند تحریک کے شعراء نے بھی ایک نئی جہت وسمت کی طرف گامزن کیا۔ لیکن جدید اُردو نظم کو جن نئی علامتوں، استعاروں، تشبیہات، نئی فکر اور سوچ کے ساتھ نئے مغربی شعری رجحانات، وجودیت، جدیدیت، انفرادیت، علامت نگاری، تاثرایت، سرائیلزم، داخلیت، خارجیت، اور نظریاتی آزادی کی طرف مائل کیا وہ ۱۹۳۹ء میں قائم ہونے والی " بزم داستان گویاں" سے " حلقہ اربابِ ذوق " بننے والی ادبی تحریک تھی۔ جس کا بنیادی مقصد ہی نظریاتی حدود سے آزاد ہو کر اَدب کے انجماد کو فکری طور پر توڑنا تھا۔ اِس کے روح رواں میراجی تھے لیکن اس کے ساتھ آزاد اُردو نظم میں تصدق حسین خالد، ن۔م۔راشد بھی بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ جنھوں نے اُردو آزاد نظم کو فکری طور پر نئی سمتوں اور وسعتوں سے ہمکنار کیا۔ حلقہ اَربابِ ذوق جیسی اَدبی تحریک کے رواح رواں میراجی کے ساتھ جن دوسرے شعراء نے اس جدید اُردو نظم کو پروان چڑھایا اُن میں قیوم نظر، ضیاء جالندھری، مختار صدیقی، یوسف ظفر، انجم رمانی، شہرت بخاری، اختر الایمان، مجید امجد، انیس ناگی، یونس جاوید، الطاف گوہر، وزیر آغا اور دیگر شعراء کا نام جہاں نمایاں طور پر لیا جاتا ہے وہی پر جیلانی کامران کا بھی جدید اُردو آزاد نظم کی اس روایت کو آگے بڑھانے میں ایک رجحان ساز شاعر کا کردار ہے۔ جیلانی کامران خالصتاً آزاد نظم کے جدید شاعر ہیں جنھوں نے اُردو میں آزاد نظم کو نہ صرف نئے معنی ومفاہم عطا کیے بلکہ نئی علامتوں، استعاروں، تشبیہات کے ساتھ نئی زمین اور ذائقوں سے بھی آشنا کیا۔

جیلانی کامران کا پسندیدہ موضوع نظم نگاری تھا جس کی بنیادی وجہ ان کا گھریلو فضا و ماحول تھا۔ کیوں کہ ان کے والد شیخ غلام رسول جو تدریس کے پیشہ سے وابستہ تھے۔ اور حالی اور اقبال ان کے پسندیدہ شاعر تھے۔ وہ ان دونوں شعراء کو اسلامی نشاۃ الثانیہ احیا تصور کرتے تھے۔ جس وجہ سے جیلانی کامران بھی نظم کو پسند کرنے لگے اور جب طبیعت شعر گوئی کی طرف مائل ہوئی تو اس تخلیقی جہت کے لیے آزاد نظم کو پسند کیا۔

> " ہمارے آباؤ اَجداد کا پیشہ درس و تدریس تھا ۔ دادا جان شاعری میں حالی اور اقبال کو زیادہ پسند کرتے تھے جس وجہ سے والد جیلانی کامران نے بھی انہی کی پسند کو برقرار رکھتے ہوئے شاعری جیسی تخلیقی جہت میں نظم کو اپنایا۔" (۱)

جیلانی کامران سکول کے زمانے سے ہی نظم کو پسند کرتے تھے کیوں کہ ان کے گھر میں حالی اور اقبال کا پسند کیا جانا اسلامی و مذہبی تہذیب و ثقافت کے رجحان کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شکست نے مسلمانوں میں جو مایوسی اور بے چینی پیدا کی تھی، اس مایوسی اور بے چینی کا حل حالی کی مدجزر اسلام یا مسدس حالی اور اقبال کی قومی و ملی نظموں میں نظر آیا۔ حالی اور اقبال کی شاعری نے برصغیر کے مسلمانوں کو اپنے کھوئے ہوئے اسلامی تشخّص کا نہ صرف احساس دلایا بلکہ اُمید کی مشعل روشن کر کے ان کے سوئے ہوئے ضمیر کو بیدار بھی کیا، کیوں کہ حالی کی "مسدس حالی" اور اقبال کی، شکوہ، جوابِ شکوہ، خضرِ راہ، ساقی نامہ، اور دیگر نظمیں ایک منفرد اساس کی مالک تھیں۔ ابتداء میں جیلانی کامران کی نظم نویسی ایک مشق کی صورت میں سامنے آتی ہے، شروع شروع میں وہ شعوری یا لاشعوری طور پر اُس زمانے کی مقبول ترین ترقی پسند تحریک کے شعراء سے متاثر ہوئے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ہی وہ ترقی پسند شعراء کی مقصدی شاعری سے بے زار ہو گئے۔ بعد میں ان کے دل و دماغ نے حلقہ اربابِ ذوق کے اغراض و مقاصد کو نہ صرف پسند کیا بلکہ حلقہ اربابِ ذوق کی نئی تراکیب و علامتوں کے استعمال، مغربی ادبی رجحان اور فکری تخلیقی آزادی جیسے محرکات نے انہیں اپنا بنالیا۔ چوں کہ اُس وقت کا ماحول نئے موضوعات، نئی جہت، نئی فکر اور نیا پن کا متقاضی تھا جو لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر سکے۔ چنانچہ شاعری میں ایک نئی جہت اور انفرادیت کے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

خیال نے جیلانی کامران جیسے آزاد نظم کے انوکھے اور منفرد شاعر کا حلقہ اربابِ ذوق جیسی فکری انجماد کو توڑنے، نئی علامتوں، مغربی ادبی رویوں کو اپنانے، فطرت اور مظاہرِ فطرت کے پردے میں استعاروں اور تشبیہات کو استعمال کرنے والی تحریک سے شعری رشتہ جوڑ دیا۔

حلقہ اربابِ ذوق کے شعراء خاص طور پر "میراجی" کا مغربی ادبی رجحان کے اثر نے جیلانی کامران کو بھی مغربی ادبی فکری رویوں ور جحان کی طرف مائل کیا۔ کیوں کہ وہ ابتداء میں جس سکول میں پڑھتے تھے وہ ایک انگریزی میڈیم تھا پھر گورنمنٹ دیال سنگھ کالج لاہور سے ایم اے انگریزی ادبیات میں کرنے سے مغربی ادب سے دلچسپی پیدا ہوئی، جس وجہ سے مغربی اَدب کی طرف رجحان زیادہ غالب ہو گیا۔ ویسے بھی حلقہ اربابِ ذوق کی شاعری خارجی مظاہر سے متاثر ہوئی تھی، اس لیے جیلانی کامران کی طبیعت بھی جدید خیالات کی وجہ سے مغربی اَدبی فکری رجحانات کے ساتھ مقامی، اسلامی وعجمی تہذیبی وثقافتی روایات کی طرف بھی مائل ہوئی۔

> " جیلانی کامران کا شمار جدید اُردو نظم کے ان اہم نظم نگاروں میں ہوتا ہے جنہوں نے مذکورہ عہد میں لکھی جانے والی نظم کے غالب رجحانات سے انحراف کرتے ہوئے ایسے تہذیبی اور ثقافتی منابع سے استفادہ پر زور دیا جو قدیم اسلامی عجمی روایات سے منسلک تھے۔" (۲)

جدید اُردو نظم نگاری کے دور میں غزل کی طرف رجحان کم ہو گیا تھا، ترقی پسند تحریک نے تو غزل کو جاگیرداری صنف قرار دے کر ناپسندیدہ کہا، لیکن غزل جو صدیوں پر محیط ایک اہم صنفِ شاعری تھی، اس نے کسی نہ کسی طرح اپنے وجود کو برقرار رکھا اور حلقہ اربابِ ذوق کے شعراء نے غزل کی صنف میں بھی طبع آزمائی کی لیکن حلقہ کا غالب رجحان نظم گوئی تھا۔ جس وجہ سے جیلانی کامران بھی اپنے سکول کے زمانے کے مزاج، گھریلو ماحول اور حلقہ اربابِ ذوق کے نظم گوئی کے غالب رجحان کی وجہ سے نظم نگاری کو پسند کرنے لگے۔ اس وقت کے سیاسی وسماجی حالات، تحریکوں اور پاکستان کی تحریکِ آزادی نے ان میں اسلامی اَدب کی طرف رجحان پیدا کیا۔ کیوں کہ مسلمانوں کی اسلامی تہذیب وثقافت کو ہر زمانے میں ایک منفرد مقام ومرتبہ حاصل رہا تھا، اس لیے جیلانی کامران بھی روحانی اقدار اور علامتی مناظر کو اہمیت دیتے تھے۔ پھر اس وقت کا ماحول جن نظریات اور خیالات کا حامل تھا دوسرا پاکستان بننے کے بعد آج تک جو تبدیلیاں رونما ہوئیں، ماحول کی ضروریات تبدیل ہوئیں، ادب کو ماحول وحالات کے مطابق جن نئے خیالات ونظریات کی ضرورت درپیش ہوئی، جیلانی کامران نے سیاسی، سماجی، ادبی ماحول اور وقت کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اپنے شعری خیالات کو تبدیل کیا۔ جس بناء پر انہوں نے منفرد سوچ رکھنے والے نظم کے جدید اور انوکھے شاعر کے طور پر شعر ادب کی دنیا میں مقام پیدا کیا۔ جس طرح پاکستان بننے سے پہلے قومیت اور وطنیت کا احساس ان کی شاعری اور سوچ میں پایا جاتا تھا، وہ احساس ماحول کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ارتقائی منازل طے کرتا رہا اور وہ اسلامی تہذیب وثقافت، قومیت، وطنیت قومی تشخّص کا احساس ایک پختہ شکل میں ان کی شاعری میں موجود ہے۔ جس نے جیلانی کامران کو ایک منفرد سوچ رکھنے والا پاکستان کا شاعر بنا دیا۔

> " قیامِ پاکستان کے بعد جب ہر شاعر نئی زندگی کے سوالات کے لیے نئے جواب تلاش رہا تھا اور نوجوان شاعر نئی نظم میں چونکا دینے والے رویوں اور اسلوب پر مائل تھے (مثلاً وزیر آغا، منیر نیازی، مبارک احمد اور ظہور نظر وغیرہ) جیلانی کامران نے مسلم تہذیب اور قومیت کے طرزِ احساس کو ایسا اپنایا کہ ان کے موضوعات کے ساتھ ساتھ اسلوب میں بھی اسلامی مزاج غالب رہا۔" (۳)

فطرت اور مظاہرِ فطرت کسی نظم گو شاعر کے لیے استعاروں، تشبیہات، علامتوں کی صورت میں بنیادی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ چونکہ شاعر مظاہرِ فطرت کے پردے میں اپنی تخلیقی فکر اور تصورات وخیالات کا اظہار کرتا ہے۔ لہٰذا فطرت پسندی اور فطرت سے لگاؤ جیلانی کامران کی شاعری

کا ایک نمایاں وصف بن کر ہمارے سامنے آتا ہے۔ جس کی اصل وجہ پونچھ (کشمیر) کا قدرتی ماحول تھا جہاں جیلانی کامران کا بچپن گزرا پھر وکٹوریہ ہائی سکول جہاں پر ان کو ادبی پُر فضا ماحول ملا، لاہور کا ادبی شعری ماحول پھر بعد میں "ایڈنبرا" (انگلینڈ) جیسے پر سکون ماحول، خوبصورت پہاڑوں، دل اور دماغ کو راحت دینے والا ہر طرف لہراتا سبزہ نے فطرت کے قریب کر دیا۔ اس لیے ان کی شاعری میں کلیوں، پھولوں، ڈالیوں، آبشاروں، پہاڑوں اور خوبصورت وادیوں کا ذکر ملتا ہے۔ خاص طور پر ان کا پہلا شعری مجموعہ "استانزے" جو "ایڈنبرا" جیسے قدرتی حُسن سے مالا مال شہر میں تخلیق ہوا، اس میں مظاہرِ فطرت اپنی پوری عروج پر دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن فطرت اور مظاہرِ فطرت کے یہ مناظر صرف "استانزے" میں ہی نہیں بلکہ اُن کے تمام شعری مجموعوں میں مختلف صورتوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ جیلانی کامران نے مظاہرِ فطرت اور مناظرِ قدرت سے اپنی شاعری کے لیے جن علامتوں، استعاروں، تشبیہات اور الفاظ و تراکیب سے مفاہم پیدا کیے ہیں اس سے پہلے کی نظم کی شاعری میں مفقود تھے۔

کلیوں پہ خوشنما ہے گذرتی ہوئی بہار،
مغرب کے آسماں پہ جزیرے ہیں رنگ کے،
اپنے بدن کے ساتھ مرے دن قریب لا
کب تک کہوں گا سخت ہیں صدمات رنگ کے
(یمن کا شاعر جنوبی فرانس میں / استانزے، ص: ۴۲)

ننھے!
دیکھ وہ پُھول ہے جس پر تتلی ہے
اپنے گھر سے تُجھ کو دیکھنے نکلی ہے
پھول سے وہ خوشبو کی مہک بنائے گی
پھر وہ خوش خوش
تجھ سے ملنے آئے گی
(ننھے دیکھ / اور نظمیں، ص: ۹۱)

جیلانی کامران کی نظموں میں فطرت پسندی کا یہ رجحان یورپ کے شہر "ایڈنبرا" اور کشمیر کے شہر "پونچھ" کے قدرتی ماحول سے پیدا ہوا ہے۔ جس سے وہ اپنے شعور اور تخلیقی قوت سے عناصرِ فطرت کے خوبصورت پاکیزہ تصّور کو استعمال کر کے زندگی کی نئی جہتوں سے پردے وا کرتے ہیں۔ پھولوں کی خوشبوؤں کا بکھر بکھر کر دنیا کے لیے خوشیوں کا پیغام دینا، انار کا پیڑ، درختوں، چٹانوں، کلیوں، پتوں، ڈالیاں اور ان کا مہکنا یہ سب اُن کی شاعری کے اس دور میں فطرت اور مظاہرِ فطرت کے رنگ و آہنگ میں دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح پرندے، چراگاہ، کبوتر اور اس طرح کے دوسرے الفاظ کو وہ اپنی فطرت پسندی کے اظہار کے لیے استعمال کرتے ہیں یعنی جیلانی کامران فطرت اور مظاہرِ فطرت کے ذریعے اس معاشرے کے دکھوں، تلخ حقائق اور حقیقت کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔ یوں ان کی شاعری کا فطرت سے لگاؤ اور طبعی رجحان ان کے تصّورات و خیالات کو مزید اُجاگر کر کے ایک مضبوط حوالے کے طور پر ہمارے سامنے آتا ہے۔

درختوں کے اُوپر چٹانوں کے نیچے
درختوں کی گنجان شاخیں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

جہاں جھک رہی ہیں جہاں آج اسکول کے ہال کی
کھڑکیاں ہیں وہاں اُس کی آواز ہم سُن کے
مسرور ہوتے تھے، قسمت سنوارو
کتابیں خریدو!
(پنجسورے والا / دستاویز، ص: ۱۹)

" سماجی حالات سے کہیں زیادہ مجھے مناظرِ فطرت سے لگاؤ رہا ہے کیوں کہ پونچھ کا موسم اور طبعی جغرافیہ فطرتِ حُسن کو نمایاں کرتے تھے ۔ ایڈنبرا میں بھی مجھے ویسا ہی ماحول ملا اور میری تحریروں میں فطرت کے ساتھ لگاؤ کا ایک سبب یہ بھی ہے ۔"(۴)

فطرت اور مظاہرِ فطرت سے لگاؤ جہاں جیلانی کامران کی شاعری کا بنیادی اور اہم موضوع ہے وہاں انسان اور انسانیت سے محبت و ہمدردی ایک نمایاں خوبی کی صورت میں ہمارے سامنے اُجاگر ہوتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ انسان دوسرے انسان کے دکھوں، کرب، مصائب و مسائل کو محسوس کرے اور اُسے زندگی کے مسائل و مشکلات میں پھنس کر گم نہیں ہو جانا چاہیے، بلکہ انسان کو اپنے تشخّص اور انسانیت کی اعلیٰ اقدار کی سربلندی کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ روزمرہ کی زندگی میں ان اعلیٰ اقدار کی قدر و اہمیت کو سمجھیں تو ہم بہت سے مسائل و مصائب کا حل تلاش کر کے خوشیاں حاصل کر سکتے ہیں۔ اور ہمارے ذہنوں میں موجود موت کے اندھے خوف اور زندگی کے مسائل میں الجھے رہنے سے نجات مل سکتی ہے۔

مرے ملک کے خُوب صُورت ستارے چمکا ور
ہر شے کی رنگت بدل دے ستارے مرے ساتھ
آ___ اور اُس آرزو سے مجھے دیکھ جس
آرزو سے تجھے دیکھتا ہوں
(ستارا/ دستاویز، ص: ۳۳)

جیلانی کامران تحریکِ آزادیِ پاکستان میں طالب علم کے طور پر خود شریک رہے اور جن مقاصد کے تحت پاکستان حاصل کیا گیا، جتنی قربانیاں دیں گئیں، قتل و غارت کا بازار گرم ہوا، عورتوں کی عزتیں برباد ہوئی، یہ سب کچھ انسان ہی کر رہے تھے جو بظاہر تو ایک دوسرے کے ہمدرد تھے لیکن ان کے اندر کے حیوان نے انہیں خود غرض اور بے حِس بنا دیا تھا۔ پھر تقسیمِ ہندوستان اور حصولِ پاکستان کے بعد بھی اِسی خود غرضی و بے حِسی کو جب مسلسل انسانوں میں دیکھتے ہیں تو پریشان ہو جاتے ہیں۔ آج کی میکانکی زندگی نے انسان کو مشینی طرز پر فکری اور ذہنی طور پر مفلوج کر دیا ہے، آج وہ صرف ہوس پرستی اور دولت کا متلاشی نظر آتا ہے۔ ایک انسان دوسرے انسان کی گردن کاٹتا نظر آتا ہے۔ ہر طرف خود غرضی اور بے حِسی کی چادر لپٹی نظر آتی ہے اور اس عمل سے انسان تو انسان زمین بھی حیران نظر آتی ہے۔

تمہارے قدموں کی چاپ ایسی ہے
جِس نے تاراج دِل کیے ہیں
جو زخم صدیوں سے روح و جاں کی
زُبان پر تھے

وہ کُھل گئے ہیں!
زمین اپنی اُداس آنکھوں سے دیکھتی ہے
مرے مُقدّر کا حال کس کِس سے پوچھتی ہے
(ظالم / باقی نظمیں، ص: ۳۴)

" جیلانی کامران کے نزدیک انسان ایک عمیق اندھیرے میں غرق ہے ۔ وہ حیات اور حیات کے تقاضوں سے ناآشنا ہے اور اُس کی زندگی بے معنویت کا شکار ہے لیکن المیہ یہ ہے کہ اُس نے اِس بے معنویت کو بھی ایک معنوی سطح پر قبول کر لیا ہے اور اُن حقائق کا سامنا نہیں کرنا چاہتا جو اُس کا مقصدِ تخلیق ہے۔"(۵)

اسلامی تہذیب و ثقافت کا ذکر "باغِ دنیا" میں جابجا ملتا ہے۔اس پوری طویل نظم میں جیلانی کامران اسلامی تہذیب کے مختلف حوالوں کو کبھی صوفیا کے رنگ میں، کبھی فرشتوں کے روپ میں، کبھی ابنِ آدم کے بیان کے ساتھ، کبھی کسی بزرگ کے درباروں پر پائے جانے والے کبوتروں کو برکت کے حوالے سے اور کبھی ابو بن ادھم کی حکایت کی صورت میں بیان کی ہے۔یہ سب حوالے اور انداز انسان کو اس دنیا میں پائے جانے والے مسائل کے حل کا ایک راستہ فراہم کرتے ہیں جن سے انسان نے کنارہ کشی اختیار کر رکھی ہے۔

ابو بن ادھم نے کہا:

دوزمانے ہیں __ اک اہلِ باطن کا اپنا زمانہ ہے
اک اہلِ دنیا کا اپنا زمانہ ہے
ان دو زمانوں کی رغبت سے جو خوبصورت زمانہ اُترتا ہے
وہ میرا اپنا زمانہ ہے
جس میں خُوشی کے پرندے ہیں، جو آسمانوں کو اڑتے ہیں
واپس زمیں پر اُترتے ہیں
اور آسمانوں کی خُوشیاں زمیں کے پریشاں لوگوں میں
تقسیم کرتے ہیں...
لوگوں کے دل میں زمانے کی واحد نشانی ہے
جس سے زمانہ بدلتا ہے
دُنیا کی قسمت کا سُورج نکلتا ہے
الجھے مقدر کا خاکہ سنبھلتا ہے...
(باغِ دنیا/ جیلانی کامران کی نظمیں، ص: ۲۰۸،۲۰۷)

جیلانی کامران جب انسانوں کو دکھ، کرَب میں دیکھتے ہیں تو اُن کے لیے پریشان ہو جاتے ہیں لیکن ساتھ ہی اُن کے دکھ، درد اور کرَب کے لیے کوئی نہ کوئی مداوا بھی کر لیتے ہیں۔ جس سے انہیں ایک مسرت ہوتی ہے۔ان کے خیال میں زندگی کے دکھ جیسے ہی ختم ہوں گے ایک نئی صبح طلوع ہونے کا اعلان ہو گا جہاں انسان پرندوں کی چہچاہٹ کو اپنا لے گا جس سے ہر طرف خوشی کا سماں ہو گا جو اپنے لیے نئے سے نئے طریقے کھوج لگا لے گا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

زندگی کا ایک نیا سورج طلوع ہو گا جس کی حدِت سب لوگوں کے لیے فائدہ مند ہو گی جسم کو جھلسا دینے والی شعاعیں اُس سے چھن کر کسی اور ملک میں جا نکلیں گی پھر یہ کائنات انسان کا مسکن ہو گی۔ جہاں انسان محفوظ ہو گا انسانیت حکومت کرے گی اور اس خطے میں ہر طرف پھیلے کرَب، مسائل و دکھوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہو گی۔ لیکن یہ سب کچھ ابھی آنے والا ہے جیلانی کامران انسان اور انسانیت کے لیے یہ خوشی کے لمحے قریب لانے کے لیے یوں دعا گو ہوتے ہیں۔

ہمارے ملک و وطن میں آیا
نیا زمانہ سلام لے کر
وہ ننھی، ملکِ ارم سے آئی
سلامتی کا پیام لے کر!
(ننھی بچی / چھوٹی بڑی نظمیں، ص: ۴۵-۴۴)

جیلانی کامران کی جس ماحول و فضا میں پرورش ہوئی۔ وہ ایک مذہبی اور درس و تدریس کا تھا۔ والدہ کا صلوۃ صوم کا پابند ہونا اور والد بھی ایک درویش صفت انسان تھے اور اسلامی نشاۃ الثانیہ کے دلدادہ تھے جس وجہ سے جیلانی کامران کی شخصیت اور شاعری میں یہ درویش صفتی کا رنگ ان کی صوفیانہ شاعری کی صورت میں دکھائی دیتا ہے، جسے شاعری میں تصوف کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ تصوف کے نام پر اُردو اور دیگر زبانوں میں بھی اَدب پر شدت پسندی قائم رہی اور صرف ظاہری لبادے کی رنگت سے اُسے صوفیانہ فکر و سوچ سے جانا گیا لیکن اصل صوفی یا درویش کا عکس بہت کم میسر آیا ہے۔ جیلانی کامران نے ایک مجذوب کی طرح سے تصوف کی راہوں کو پرکھا ہے پھر اسے اپنی شاعری کا حصہ بنایا ہے۔

ہوا مجھے ساتھ لے کر یہاں سے وہاں جا پہنچی
زمین میری محرم تھی وہاں سے یہاں آ پہنچی
کہاں سے مَیں کہاں پہنچا کہاں میری قسمت تھی
زمانہ میری خاک بن کر اُڑے گا تیری بستی میں

ہوا کے ایک جھونکے پر لکھا ہے تیرا نام مَیں نے
گئے کو آنے والے سے کیا ہے ہمکلام مَیں نے
قمر نے تیرا ابرُ اُلٹا
خوشی نے تیری دید پائی
نئے نئے طریقوں سے دیا ہے پھر سلام مَیں نے
(ہوا مجھے ساتھ / دستاویز، ص: ٦٧)

جیلانی کامران نے اپنی نظموں میں صوفیانہ رنگ کو ہر جگہ بیان کیا ہے ان کے تمام شعری مجموعوں میں صوفی رنگ کے ساتھ ساتھ خیر و شر کی بحث کا بھی خاموش لفظوں میں جا بجا اظہار ملتا ہے۔ پھر نیکی اور برائی کو اپنی شاعری میں ایک منفرد صورت میں بیان کیا ہے۔ جس وجہ سے جیلانی کامران کے شعری مجموعے "دستاویز" کو پڑھنے والے قاری اور مختلف نقادوں نے مذہبی شاعری قرار دیا لیکن یہ شاعری مذہبی نہیں ہے چونکہ انہوں نے "دستاویز"

کی نظموں میں مذہب کا عنصر اور بعض ایسے پیچیدہ سوال اٹھائے ہیں جن کا جواب اس دنیا کے لوگوں کے پاس نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، ہمارے ہاں نفس سے جاری جنگ کا کوئی جواز ہے تو کیا ہے؟ نفس کی حقیقت کیا ہے؟ روحانیت کیا ہے؟ ہمیں اس کو کس طرح اپنانا ہے؟ جیسے سوالات نے جیلانی کامران کی نظموں کو مذہبی شاعری بنادیا۔ وہ نفس کو کتا کہنے پھر اُسے اپنے ساتھ سلانے کی بات کرتے ہیں تو ایسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنا تعلق صوفی قبیل لوگوں سے جوڑ رہے ہیں۔ کیوں کہ ایسے موضوعات وگفتار ہمیں صوفیوں کے ہاں ہی دکھائی دیتی ہے۔ صوفی اور بزرگوں کے مزار کے تعلق کو نبھانے کے لیے جیلانی کامران کی شاعری میں "کبوتر" ایک بنیادی حوالہ ہے جو ان کے تمام شعری مجموعوں میں مختلف حوالوں سے نظر آتا ہے۔

مسجد کو گھر بار سمجھ کر مَیں نے لکھے خط ہزاروں
غم کے کپڑے پہن کے نکلے میرے فقرے پار کناروں
عقل کی بازی جیت گیا کمزور گداگر اور دیوانہ
بول کبوتر دانہ دانہ
(بول کبوتر دانہ / دوستازیز، ص: ۶۹)

دو ٹکڑوں کو کِس نے جوڑا رات اور دن کے پاس
کِس نے خود کو بیچ سے توڑا نکلا آپ اُداس
جیسے دُکھ کے پُھول سے نکلے راحت کی خوشبو
مجھ سے بہتر تُو
بازاروں میں لوگ نہ بُھولے نرخ نہ رسم ورواج
ہر کنکر کے بدلے ہارے مہنگے تخت اور تاج
پانی جان کے ستا سمجھا اپنا سرخ لہُو
مجھ سے بہتر تُو
(دو ٹکڑوں کو / دستاویز، ص: ۷۱)

"جیلانی کامران اپنے مجموعہ " دستاویز" میں اسلامی تہذیبی وجدان سے کنارہ کش نہیں ہوتے لیکن وجدانی لہر تیز تر ہو جاتی ہے جو ایک خاص قسم کے کشف کو اُبھارتی ہے یہاں جیلانی کامران کی آواز کشف وکرامات سے مزین ہے۔" (۶)

جیلانی کامران کی شاعری کا گہرائی سے مطالعہ کریں تو احساس ہوتا ہے کہ ان کی نظموں میں مابعد الطبیعاتی فکر اور ماورائیت کی طرف رجحان بھی پایا جاتا ہے۔ یہ مابعد الطبیعاتی فکر اور ماورائیت کا تصّور اور تصوّف کی طرف کا سفر اُسے اِس روش نے عنائیت کیا ہے جو جیلانی کامران کے ہاں اسلامی تہذیب کے لیے کشش رکھتی ہے۔ انہوں نے تصوّف کے اِس فلسفے کو اور مابعد الطبیعاتی نظام کو اسلامی تہذیب وثقافت کے سانچوں میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ وہ اقداری بغاوت کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی ن۔ م۔ راشد کی طرح تمام تر زندگی سے بغاوت کرنے کا کہتے ہیں، بلکہ ان کی شاعری میں محبت کے آثار پائے جاتے ہیں۔ یہ محبت کے آثار جیلانی کامران اسلامی، عجمی، عربی روایات ومیراث سے لے آتے ہیں۔ اسلامی تہذیب وثقافت کی یہ عکاسی جیلانی کامران کی شاعری کو خدا کے وجود کے قریب لے جاتی ہے، بلکہ بعض مقامات پر تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ شاید یہی ان کی شاعری کا مقصدِ حیات ہے۔ وہ خدا

کی طرف رجوع کرنا اور اس میں سکون و اطمینان کی کیفیت کو اپنے اوپر طاری کرنے کا ذکر کچھ اس انداز سے کرتے ہیں کہ انسان کشفِ ذات کے پیمانوں پر چلنا شروع ہو جاتا ہے، جہاں انسان اپنی ذات کی نفی کرتا ہوا خدا کے وجود بر حق کو ہی کُل اثاثہ گر دانتا ہے۔

مقسوم کہاں میرا، مَیں بخت رسا پاؤں
سیّارے کا دل ڈھونڈوں ذرے میں خدا پاؤں
ظاہر میں سدا بھٹکوں، جاؤں تو کہاں جاؤں؟
اے مخفی ولا حاصل
(دعا/ چھوٹی بڑی نظمیں، ص: ۲۵)

سچّا سب سے پہلے اللہ
دوئم نبیؐ مبشر سچّا
جھوٹا ناقص__ مَیں!

مَیں نے لفظ کو سمجھا پردہ
عُمر کا حاصل دل کا سودا
اُلجھے قدم قدم پر قصّہ
جھوٹا ناقص__ میں!
(ابتدا/ دستاویز، ص: ۴۹)

" میرے مطالعہ اور غور و فکر کے مطابق جیلانی کامران ہر طرح سے مابعد الطبیعاتی اور ماورائیت پر یقین رکھنے والا شاعر ہے اس نئی شاعری ہی کی وجہ سے وہ اپنے Poetic Art کو جدید بنا پایا ہے ۔ یہ آرٹ ہی اسے ہم عصر سماجی زندگی ، لافانیت ، دکھ ، کرَب ، مسّرت ، اُمید ، خوف ، فطرت ، خدا ، مذہب اور نیکی سے جوڑتا ہے وہ اپنے قرب و جوار میں پھیلی رنگین دنیا میں جگہ جگہ اَبدیت کے مناظر سے لطف اندوز ہوتا ہے ۔"(۷)

جیلانی کامران کی شاعری میں اسلامی و عجمی تہذیب و ثقافت کا رنگ پوری آب و تاب سے نظر آتا ہے۔ان کی مختلف نظموں میں ہماری دنیا اور ہماری زندگی سے جڑی کہانیوں کے مختلف رنگ، مختلف ذائقے اور مختلف مناظر دکھائی دیتے ہیں۔اِسی طرح جیلانی کامران کی طویل نظم "باغِ دنیا" میں یہ ہماری دنیا اور زندگی کی کہانی اسلامی تہذیب کے تناظر میں زیادہ مربوط فکری طور پر بیان ہوئی ہے۔"باغِ دنیا" کی منزل اوّل کا آغاز ایک خوبصورت روشن اور شاداب مستقبل کی نوید سے ہوتا ہے۔

آج کے بعد
آج کے بعد، نیا آج
اِک نیا آج، تمہارے لیے لائے گا مہک

پُھول اور پُھول میں سوئے ہوئے کچھ خواب، کئی

دوست!

عشق اور عشق کے انداز،

رفت کے بعد گذشت، عمر کے بعد نئی عمر،

صبح کے بعد، نئی صبح...

آج کے بعد نیا آج، نئے تم__

ایک موسم کا مہکتا ہوا موسم__ تم! تم!

ایک گذری ہوئی دُنیا کے مسافر__ ہم! ہم!

آج کے بعد

سب نئے ہوں گے__

باغ کے پُھول، برستی ہوئی شبنم، بُلبُل!

آسماں، چاند، فراق اور جدائی آنسو، وصل کی آگ

سب نئے ہوں گے

آج کے بعد...

(باغِ دنیا/ جیلانی کامران کی نظمیں، ص: ۱۹۶)

جیلانی کامران کی شاعری کا ایک اہم حوالہ داخلیت اور خارجیت کا بھی ہے۔ کیوں کہ جیلانی کامران نے نئی شاعری کے لیے جو سوالات اٹھائے تھے اُن کا جواب تلاش کرنا بہت ضروری تھا خود کے اٹھائے ہوئے سوالوں نے انہیں اپنی انفرادیت بنانے میں مدد دی، یعنی خارج اور داخل کا ہم آہنگ ہونا کسی بھی شاعر کے لیے بے حد ضروری ہے، چونکہ اس ہم آہنگی میں ہر منفرد رنگ ایک الگ تصویر کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ عمل جیلانی کامران کو لسانی تشکیلات کے شاعر کے طور پر ہمارے سامنے ظاہر کرتا ہے کیوں کہ لسانی تشکیلات کے علمبر داروں کے ہاں بھی اسی تجربے کی فراوانی نظر آتی ہے، جس میں وہ اپنے داخل اور خارج کو ایک منفرد لیکن کار آمد تصور کی صورت میں اجاگر کرتے ہیں۔ جیلانی کامران نے داخلی کیفیات کو محض خارج کے حوالے کر دینے پر اِکتفا نہیں کیا بلکہ وہ داخلی اور اندرونی کیفیات کو معاشرے کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ لیکن اس عمل میں وہ اپنی شناخت کہیں گم نہیں ہونے دیتے۔ وہ خود کے متخلیہ کی باز آفرینی کے لیے اپنا علیحدہ رنگ ایک قوسِ قزح کی صورت میں نمودار کرتے ہیں، اور ان سب کے درمیان ایک ہی چیز تھی جو جیلانی کامران کے لیے اہمیت رکھتی تھی وہ انسان اور اس کے متعلق پھیلے ہوئے موضوعات و مسائل تھے۔

" شعر گوئی میں زاہد ڈار ، انیس ناگی، جیلانی کامران ، ظفر صمدانی سید ، اور دیگر بہت سے احباب تھے ۔ لیکن یہ تمام لوگ اس وقت مستحکم خارجی صورت کو ایک داخلی رد عمل سے ایک تغیّر سے آشنا کرنے کی کوشش میں تھے اس لیے یہ محض داخلیت یا اندرونیت کی بات نہیں تھی اس کا تصادم خارج سے بھی تھا اور خارج سے یہ تصادم صرف ذاتوں کی حد تک ہی نہیں تھا ۔ پھر معاشرے میں بھی ایک تغیّر آیا جب خارج میں ایک تلاطم آیا تو ہمارے داخلی تلاطم کو اس سے ہم آہنگ ہونا ہی تھا۔"(۸)

جیلانی کامران کی شاعری میں ایسی بہت سی نظمیں ہیں جن کے کردار ہمیشہ زندہ رہیں گے، یا پھر جنہیں ہم کرداری نظمیں بھی کہہ سکتے ہیں۔ان کے پہلے شعری مجموعے،"استانزے" میں "یمن کا شاعر جنوبی فرانس میں" "ابی نمر" "ہندوستانی درویش اور عراقی" اسی طرح دوسرا شعری مجموعہ "نقش کف پا" جو ایک طویل کرداری نظم ہے۔ جس میں وہ ان کرداروں کے ذریعے اپنا معاشرتی اور اسلامی و عجمی نقطہ نظر پیش کرتے نظر آتے ہین۔"باغِ دنیا" بھی ایک طویل نظم ہے جس میں "امام خمینی" کے حوالے سے انقلاب ایران جیسے واقعہ کو موضوع بنایا گیا ہے، جو مختلف کرداروں اور حکایتوں سے بیان کیا گیا ہے جس میں مختلف بزرگ، پرندے، ابلیس، آلِ ابلیس، احیا اور دیگر کردار بنیادی اہمیت کے حامل ہیں اسی طرح جیلانی کامران کے دیگر شعری مجموعوں میں بھی یہ کرداری نظمیں موجود ہیں جن کے ذریعے وہ معاشرے میں پائے جانے والے مسائل، دکھ، کرَب، مصیبتوں، بے حِسی اور خود غرضی کو عیاں کرتے ہیں۔ان کے شعری مجموعے "دستاویز" میں" تماشہ" "پنجسورے والا" "شہر دوزخ میں لڑکی" اور "چھوٹی بڑی نظمیں" کے عنوان سے شعری مجموعے میں "بُوڑھا اُستاد" "تماشے والا" "ننھی بچی" "زلیخا" "طوطے والی لڑکی" "پاگل لڑکا" جیسی کرداری نظموں میں انسان اور معاشرے سے وابستہ مسائل و حالات کو بیان کیا ہے جیسے نظم" تماشہ" میں جس کا مرکزی کردار تماشہ گر ہے جو پانی پہ چلنے کا ہنر سے آشنا ہے یوں شاعر جب اپنے بچے کو گھر سے باہر لے کر نکلتا ہے۔ تو بچہ اس دنیا کی رونقوں، طرح طرح کی خوبصورتیوں اور خوشبوں کو محسوس کرتا ہوا ہر انسان کو سرگرداں دیکھتا ہے۔ پھر شاعر اپنے بچے کے ساتھ ساحل سمندر کی طرف جاتا ہے تو لوگوں کا ایک ہجوم اس تماشہ گر کا تماشہ دیکھنے کے لیے موجود ہے جس میں تماشہ گر پانی پر چلنے کے ہنر سے لوگوں کو محظوظ کر رہا ہے جب بچہ پانی پہ چلنے کا تماشہ دیکھتا ہے تو اس کے ذہن میں چند سوالات جنم لیتے ہیں جس پر بچہ اپنے والد سے یوں مکالمہ کرتا ہے۔

کتابوں کے بدلے اگر ہم سمندر کے پانی پہ چلنے
کا انداز سیکھیں تو بہتر نہ ہو گا
یہ بچے نے پوچھا نہیں ساری دولت سے بہتر
کتابوں کی دولت ہے مَیں نے کہا
اور مجھے ایسے تکنے لگا
میں مر چکا ہوں!
(تماشا/ دستاویز، ص: ۱۶)

اس طرح نظم میں آگے چل کر شاعر بچے کو لے کر وہاں سے گھر کی طرف روانہ ہوتا ہے تو بچہ حیرت سے کبھی میرے سائے کو دیکھتا اور کبھی آسمان کی طرف لیکن اس کی یہ حیرت ختم نہیں ہو پا رہی تھی، جب لوگ پانی پہ چلنے کے ہنر سے واقف ہیں تو پھر ہم اس مٹی پر کیوں چلتے ہیں۔

زمانے کی مٹی کو کپڑوں میں لے کر وہ روتا رہا اور
میں اپنا چہرہ جُھکا کر زمانے کی باریک سلوٹ کو
تکنے لگا جس کی ہم سلوٹیں ہیں
وہ روتا رہا کیوں کہ وہ مجھ سے کہتا تھا ہم کس لیے
خشک مٹی پہ چلتے ہیں جب لوگ
پانی پہ چلنے کی ترکیب سے آشنا ہیں!

(تماشہ / دستاویز، ص: ۱۶)

جیلانی کامران کی یہ نظم "تماشہ" بڑی معنی خیز ہے جس میں انہوں نے پانی پہ چلنے کی ترکیب سے آشنا ہونا، اس تماشہ والے بازی گر کی طرف اشارہ ہے جس طریقے کو اپنا کر لوگ اپنے لیے خوشحالی اور خوشی کے لیے ناجائز ذرائع تلاش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے خیال میں علم و آگہی فضول محنت ہے کیوں کہ اس سے زیادہ خوشحالی اور دولت نہیں کمائی جاسکتی ہے اس لیے یہ علم و آگہی لمحہ بھر بھی لائق اعتنا نہیں ہے۔ اس نظم میں بنیادی کردار بچے کا ہے جو آج کی نئی نسل کی نمائندگی کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ جوان سب غیر علمی رجحانات میں کشش محسوس کرتا ہے جس سے آج نئی نوجوان نسل دوچار ہے۔ اسی طرح کی نظم "بوڑھا استاد" اپنے کردار کے حوالے سے ایک اہم نظم ہے جس میں جیلانی کامران نے کردار "بُوڑھا اُستاد" کے ذریعے آج کے دور میں نئی نسل کا اپنی تہذیب و ثقافت سے دور اور تہذیبی اقدار کے مٹنے کے سانحہ کو بیان کیا ہے۔

میری عمر تھی پندرہ سولہ
اُس کی عمر تھی ساٹھ اور چار
میرے اُس کے بیچ کھڑی تھی
حال اور ماضی کی دیوار!

" اس چشمے پر میرا سایہ
اُبھرا چمکا ڈوب چکا ہے
میرے پاؤں کی ٹھوکر بن کر
چوراہے کا کنکر بن کر
وقت ہر اک شئے بُھول چُکا ہے!"

(بوڑھا استاد / چھوٹی بڑی نظمیں، ص: ۳۰)

اس نظم کا بنیادی کردار "بُوڑھا اُستاد" اپنے سامنے تہذیبی اور روحانی اقدار کی ناقدری، اور نئی نوجوان نسل میں پائی جانے والی بے حسی کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے تو اس کے اندر ایک مستقل دکھ و کرب جنم لیتا ہے۔ وہ "بُوڑھا اُستاد" جس نے اپنی خون کی محنت سے تہذیبی و روحانی قدروں کو قائم کیا تھا، جن چشموں کے پانی کو صاف اور جس آئینے کو شفاف بنایا تھا، اب وہ دھندلا گئے ہیں اور تہذیب کی زمین خشک ہو چکی ہے یعنی تہذیبی و روحانی ناقدری کا عمل جاری ہے۔

" چشمہ دیکھا، گدلا گدلا___
مَیں نے پانی صاف کیا تھا!
اپنے خون کی کمیابی سے
رات اور دن کی بے تابی سے
پچھلے روز کے آئینے کو
خود مَیں نے شفاف کیا تھا!

"اب مَیں ہوں___ اور خشک زمیں ہے
محرم میرا کوئی نہیں ہے!"
(بُوڑھا اُستاد / چھوٹی بڑی نظمیں، ص: ۳۱)

اس نظم کا کردار "بُوڑھا اُستاد" جس نے بڑی محنت سے اپنی نوجوان نسل کی تربیت کی تھی۔ اُس نئی نسل نے اُس کے تہذیبی و ثقافتی میراث کو نہ صرف جدید مغربی یلغار کے آگے گرادیا بلکہ خود بھی اس مغربی یلغار کا شکار ہو گیا جس پر "بُوڑھا اُستاد" افسوس کے ساتھ اضطراب و کرَب کے مستقل عذاب میں مبتلا ہے۔

اُس کے بُوڑھے ہونٹ پہ تڑپا
دُکھ کا لفظ، گُنہ کا جملہ
ساری عُمر کی محنت بن کر
اُس کی آنکھ سے آنسو ٹپکا!

" خشک زمیں پر تیرا آنسو!
بوڑھے باپ! قیامت ہو گی
مت رو! عرش پہ نیک خدا کو
روزِ حشر ندامت ہو گی!

لیکن وہ! وہ چشمہ بن کر
اپنی ریت کے اندر تڑپا!
محرومی کا بھیس بدل کر
ہر موسم میں، ہر بستی میں
آنسو آنسو بن کر برسا!

ہر شئے اچھی، ہر شئے ظالم!
جیسے خوشبو اور بہار
بوڑھے باپ کے پیچھے دیکھی
مَیں نے پریوں کی یلغار!
(بُوڑھا اُستاد / چھوٹی بڑی نظمیں، ص: ۳۱،۳۲)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

"بحیثیت مجموعی جیلانی کامران کے ہاں کرداروں کو دیکھا جائے تو یہ سب کردار مختلف ہونے کے باوجود اپنے اندر ایک قدر مشترک رکھتے ہیں ان میں اسلامی تہذیب کی بازیافت اور روحانی قدروں کے کھو جانے کا نوحہ نمایاں ہے۔ زوال کا یہ حادثہ دراصل دورِ حاضر میں مادی اور شیطانی طاقتوں کے زور پکڑنے سے ہوا ہے ۔ (۹)"

جیلانی کامران نے "باغِ دنیا" کی منزل اوّل میں انسان کی بے حسی اور خود غرضی مختلف تناظر میں بیان کی ہے۔ انسان جو انسانیت کے درجے سے گر کر حیوانیت اور شیطان کا روپ دھار چکا ہے، اپنے اعمال کو درست کرنے کی بجائے وہ اسلامی اساطیری طریقے اپناتا ہے، کبھی تو وہ اپنی بد اعمالیوں اور گناہوں کی بخشش کے لیے خیرات کرتا نظر آتا ہے اور کبھی کسی بزرگ کی دربار سے کبوتر پکڑ کر اسے اپنے گھر میں پنجرے میں قید کر کے برکت کا باعث تصور کرتے نظر آتا ہے یعنی انسان اپنے اندر کے حیوان کو تسلی دینے کے لیے مختلف روُپ اور ڈھنگ اختیار کرتا ہے۔

کسی شخص نے
شاہ ابو المعالی کے مرقد کے چو گرد اُڑتے ہوئے
ایک نیلے کبوتر کو پکڑا
اُسے ایک پنجرے میں رکھا...
کہا:
شاہ ابو المعالی کی برکات اب گھر میں اُتریں گی،
قسمت کی اُلجھی لکیریں
ضرور اَب کے سنوریں گی!
(باغِ دنیا/ جیلانی کامران کی نظمیں، ص: ۲۰۳)

جیلانی کامران نے نئے زمانے کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے، پھر اس وقت کی نئی علامتوں، استعاروں، تشبیہات کو استعمال کرنے والی اور فکری انجماد کو توڑنے والی حلقہ اربابِ ذوق جیسی ادبی و فکری تحریک سے وابستہ ہونے اور اپنے جدید ذہنی و فکری خیالات سے ایک نیا شعری لہجہ قائم کیا۔ یہ نیا شعری لہجہ نئے اسلوب، فکری، ادبی، لسانی تشکیلات، اسلامی تہذیب و ثقافت اور عجمی و عربی روایات، نئے موضوعات، تشبیہات، استعاروں، نئے الفاظ و آہنگ، فارسی و ہندی کی آمیزش، داخلیت، خارجیت، مابعد الطبیعات پر مشتمل تھا۔

" جیلانی کامران کی شاعری کی انفرادیت ان کا منفرد اسلوب اور لب ولہجہ ہے ، جس سے متصوفانہ عنصر ، داخلی رجحان، خیال، جذبہ وجدان، مابعد الطبیعاتی فکر ، نشاۃ الثانیہ کا احیاء ، رجائیت، اُمید و حسرت، اسلامی عجمی روایت اور اسلامی تہذیبی عمل ہی ان کی شاعری کی متاع ہے اور یہی ان کی شاعری کو دوام بخشتی ہے جدید اُردو نظم میں وہ اہم مقام رکھتے ہیں۔"(۱۰)

جیلانی کامران کے منفرد شعری لہجہ کو بعض نقاد فیض احمد فیض کے لہجہ کے مقابل و مقبول لہجہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے کیوں کہ فیض احمد فیض کا شعری اسلوب و لہجہ کلاسکیت کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھتا ہے۔ جب کہ جیلانی کامران کا شعری اسلوب و لہجہ بہت مختلف

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

اور منفرد ہے، جو شروع ہی "استانزے" سے لے کر "باقی نظمیں" تک اپنی ایک منفرد الگ پہچان و مقام رکھتا ہے اور بعد میں نئے نظم لکھنے والے شعراء پر جیلانی کامران کے منفرد شعری لب ولہجہ کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔

میں پیدل اور لمبے رستے کالے تھل اور بارکاف
اور جیم سوائے رب کے کوئی
نہ بخشنہار تنہا مَیں اور حج کا موسم ساحل
لگے جہاز مَیں نقشے پر ڈھونڈ رہا ہوں مکہّ اور
حجاز اونچے برج ریاضت والے تونسہ اور بغداد
وقت کے دل پر ثبت ہوئی ہے میری 'کل
فریاد مَیں پر دیس سے کیسے بھیجوں تیرے دیس
ہوا ہم لوگوں کی ٹوٹ چکی ہے پہلی
قطب نما مائل اور گریز کے پودے شیریں اور
پرویز کالے پل پر وقت نے لکھی حال کی
دستاویز
(پُل صراط / دستاویز، ص: ۴۳)

ہم اہلِ دنیا
ترے باغ کے بے حقیقت پرندے سہی
پھر بھی شاخِ تمنا جیتے ہوئے
ہم ترا ذکر کرتے ہیں۔۔۔!
(ہم اہلِ دنیا / اور نظمیں، ص: ۲۹)

جیلانی کامران نے شاعری میں منفرد لب ولہجہ کے ساتھ سادہ الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ ان کے شعری سفر میں اسلامی، عجمی، عربی روایات شروع سے آخر تک موجود ہیں جن کو مختلف مقامی، ہندی، فارسی الفاظ اور عجمی، عربی تہذیب و ثقافت میں بیان کیا ہے، لیکن ان کے لیے عام، سادہ فہم الفاظ استعمال کیے ہیں۔ وہ عام انسانوں کے ساتھ عام انسانوں ہی کی زبان میں بات کرتے ہیں۔ جب کہ دکھ، کرَب، تنہائی، محرومی اور بے بسی، کے جذبات سے نجات دلانے کے لیے وہ اپنی نظموں کے کرداروں کو منفی جذبات کی قید سے نہ صرف آزاد کراتے ہیں بلکہ اس صورتحال میں وہ نہایت عام فہم اور سادہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

عجیب شئے ہے! جسے جوانی کا نام دے کر
کئی پرندے سفر کو جاتے ہیں___
مدتوں اُس کی چاندنی میں
نصیب اپنا کبھی چٹانوں کبھی جزیروں کبھی درختوں میں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

آزماتے ہیں!

(زلیخا/ چھوٹی بڑی نظمیں، ص: ۴۸،۴۷)

وُہ کُون تھا

جو ہماری دُنیا میں آرزو بن کے جی رہا تھا

ہمارے صدیوں کے زخم عرصے سے سی رہا تھا؟

وُہ کُون تھا

جس نے قافلوں کو صدا دی، آگے بڑھو! کہ دُنیا

تمہاری مُدّت سے منتظر ہے،

تمہاری خاطر نئے زمانے کی نامہ بر ہے!

(ایک شخص/ باقی نظمیں، ص: ۴۹)

جیلانی کامران کی تمام شاعری پر اسلامی، عجمی، عربی تہذیب و ثقافت کے ساتھ لسانی تشکیلات کے اثرات زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔ جس کی اصل وجہ ان کا گھریلو مذہبی ماحول اور جدید نئی شاعری کے تقاضے تھے۔ لیکن اس سب کے باوجود جیلانی کامران کی نظموں میں عشقیہ موضوعات بھی دکھائی دیتے ہیں۔ یہ عشق کے موضوعات کبھی تو فطرت اور مظاہرِ فطرت کے پردے میں بیان کرتے ہیں اور کبھی اسلامی اساطیر کے پردے میں، کسی بزرگ کی حکایت کی صورت میں، تو کبھی اپنے محبوب کی جدائی و وصال کے ذکر کے ساتھ، جو ان کے ہاں ایک نئے رجحان کی طرف اشارہ کرتے نظر آتے ہیں۔ جیلانی کامران کے نزدیک عشق ایک لافانی جذبہ ہے جس میں زمینی اور آسمانی دونوں حوالے ملتے ہیں یعنی ان کی شاعری ماورائی تصوّرات کی شاعری ہے، جس میں زمین بھی ہے، آسمان بھی ہے۔ خدا بھی ہے، بندہ بھی ہے اور زمین و آسمان کے اتصال خدا اور بندے کے وصال سے ان کی شاعری ہمارے سامنے اظہار پاتی ہے۔

تھوڑے دنوں کی بات ہے، کِس سے کہوں گا، تُو بھی تھی

تیرے بدن کے ساتھ مَیں، گذرا بھی تھا، رُکا بھی تھا،

تُجھ سے کہا، جو کُچھ کہا، جو بھی سنا، کہا تُجھے،

تُو نے جہاں گذر کیا، مَیں تو وہاں جھکا بھی تھا،

جُھکتا ہوں آج رات بھی، آہ! یہ سرد سرد رات،

آہ، یہ بے وضع سے دن، اتنے اُداس، بے شمار،

عمر کے راستے تمام، میری زمیں کے ختم دن،

جس کی خلش ہے ساتھ ساتھ، کہتا ہوں اُس کو انتظار ــــــ

جس کو زمیں نہ دے سکی، شاید کہ موت دے سکے

(یمن کا شاعر جنوبی فرانس میں/ استانزے، ص: ۳۱،۳۰)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

سرو کے سائے میں کچھ دیر رہیں___، کہتے ہیں
سرو محبوب ہے، محبوب کی قامت جس سے
آج تک زندہ ہے،___ اس سرو کے نیچے تیرا
راستہ زندہ ہے، وہ نام لکھا ہے جس کا
تُو گرفتار ہے!
(نقش کف پا، ص: ۲۶)

اپنی خُوشبُو کو لیے
چند لمحوں کو یہاں آجاؤ
کُچھ سہی، کُچھ بھی سہی، نام بتانے آؤ
ایک بار آؤ، نہ جانے کے لیے آجاؤ
مُسکرانے کے لیے آجاؤ!
(کس نے کہا؟/ باقی نظمیں، ص: ۲۷)

"جیلانی کامران نے سماجی رشتوں اور کائناتی مسائل کی دریافت میں مذہبی آگہی کو استعمال کیا ۔ اُن کی نظموں میں باہر کی دنیا باطن کی روشنی سے مستنیز ہوتی ہے ۔" نقش کف پا" اور "استانزے" میں انہوں نے عشق کے استعارے سے برکت اور خیر کی قدروں کو اُجاگر کیا ہے ۔" (۱۱)

جیلانی کامران نے اپنی شاعری میں اَدبی قومیت کے تصّور کو نئے اور انوکھے انداز سے واضح کیا ہے۔ انہوں نے ایسی نظمیں تخلیق کی ہیں جن کے موضوعات انفرادی اور قومی ہیں۔ اپنی شاعری کے ذریعے اَدبی قومیت کے جس تصّور کی تقلید و تصدیق کی ہے وہ ہماری قومی تاریخ کا ادبی اظہار ہے۔ جیلانی کامران نے اپنی نظموں میں سیدھی سادی سچائیوں کو بیان کر کے نئی اُردو شاعری میں سے کتابی علم، جھوٹے تجزیے اور درآمد کی ہوئی نامکمل معلومات کو باہر نکال کر سچے جذبوں کا اعتراف کیا ہے۔ اِس مُلک کے بہت سے لوگ ان جذبات سے بالکل واقف نہیں ہیں جن پر چھوٹی چھوٹی خوشیوں، بے ضرر آرزوؤں، دعاؤں اور یادوں کے قافلے رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک اِس مُلک کا اصل آدمی صاف شفاف اور سچے طرزِ احساس کا مالک ہے۔ جیلانی کامران نے اپنی شاعری میں اس نظر انداز ہونے والے انسان اور اس کے تشخّص کو پھر سے دریافت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

صبح کی ہواؤں نے
اُس کے شہر کا جھونکا
کِس ادا سے بھیجا ہے!

روشنی سے اَب کہہ دو
وقت کے خزانوں سے نور کی کرن لائے
جو بھی دل فسردہ ہے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

وہ نئی خوشی پائے!

(صبح کی ہواؤں نے / اور نظمیں، ص: ۴۷)

دِیے جلاؤ!

اَے روزِ روشن میں رہنے والو! دِیے جلاؤ

کہ روشنی نے تمہاری آنکھوں کو دیکھنے کی

طلب سے محروم کر دِیا ہے!

(دِیے جلاؤ / باقی نظمیں، ص: ۴۷)

" ۱۹۸۵ تکی نئی نظم نے اِس انسان کو اور اُس کی حِصار بند دنیا کو اپنا موضوع قرار دیا اور ایک اہم بنیادی سوال ، مَیں کون ہوں؟ کو مرتب کیا تا کہ انسان کی تنہائی کا اندھال ممکن ہو سکے ۔"(۱۲)

جیلانی کامران کی نظموں کے موضوعات کی وسعت بہت زیادہ ہے انہوں نے اپنی شاعری میں ہر اس موضوع کو بیان کیا ہے جس کا تعلق جدید اُردو نظم، اسلامی، عجمی تہذیب و ثقافت، انسان، دنیا، عربی، فارسی، ہندی روایات، الفاظ و آہنگ اور حلقہ اربابِ ذوق کے کسی نظریاتی پابندی سے ہٹ کر نئے ادبی و فکری رجحانات سے تھا۔ جس میں عجمی و ہندی روایت کے ساتھ فارسی روایت سے تعلق جوڑنے کی کوشش بھی شامل ہے، قرار باشد، انتظام باشد، نمی دائم، جیسے الفاظ سے فارسی ادبی روایت کے ساتھ تعلق کو جوڑنے کی کوشش نظر آتی ہے۔ پھر اس عہد کے جدید غزل گو ناصر کاظمی، اور نظم نگار فیض احمد فیض، جیسی شخصیتوں کے لیے علیحدہ علیحدہ نظم سے اپنا شعری سلسلہ اُردو شاعری کے دوسر خیل شعراء سے بھی جوڑا ہے۔ یہ دونوں شاعر اُردو شعری اَدب کی روایت میں الگ الگ پہچان و شناخت رکھتے تھے۔ دونوں کے نظریات الگ الگ تھے لیکن جیلانی کامران نے اپنی عقیدت کو دونوں کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ جیلانی کامران نے ناصر کاظمی سے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار "آہ! ناصر کاظمی" کے عنوان سے کیا ہے۔ جس میں وہ ناصر کاظمی کو فاختاؤں، چڑیوں، پَھل دار پیڑوں اور بُلبُل سے باتیں کر تا دکھاتے ہیں۔ جیلانی کامران نے اس نظم میں تمام الفاظ و نام ایسے استعمال کیے ہیں جن سے کائنات کی خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن کچھ سالوں بعد جب انہی پرندوں کی چہکاروں کا ذکر چھڑا تو اِحساس ہوا کہ ان سے گفتگو کرنے والا" ناصر "اب موجود نہیں ہے۔ جو ہجر کے کانٹوں کا سوداگر تھا اور اُن کانٹوں کی چھبن سے ہونے والی تکلیف کو بھی محسوس کرتا تھا۔ نظم کے اختتام پر شاعر نے ناصر کاظمی سے اپنی جدائی کی کیفیت کو نہایت دلفریب انداز سے بیان کیا ہے کہ اضطراب و کرَب کے عالم میں الفاظ آنسو بہاتے محسوس ہوتے ہیں۔

کئی سال پہلے

درختوں پہ اُڑتی ہوئی فاختاؤں

ہوا میں گزرتے ہوئے رنگا رنگ بادلوں

اور چڑیوں کو دیکھا

تو ہم نے کہا

آج ناصر ضرور اُن سے باتیں کرے گا

طلوع ہوتے سورج میں

جب ہم نے پَھل دار پیڑوں پہ بُلبُل کو دیکھا

کسی نے کہا
آج ناصر بھی موجود ہوتا
تو ہم اُس قبیلے کا ماتم نہ کرتے
جو بُلبُل کی بولی سمجھتا تھا

....

کہا۔۔۔اب زمانے میں ایسا تو کوئی بھی شاید نہیں ہے
جو ناصر کے مانند
ہم سے جدائی کے کانٹوں کا سودا کرے گا!
تو ہم نے
بُجھی راکھ پر خشک پتے بکھیرے ___ کہا
دوستو! وُہ تو کب کا ہمارے برابر سے اُٹھ کر
کہیں جا چکا ہے!
(آہ! ناصر کاظمی / اور نظمیں، ص: ۶۴،۶۳)

جیلانی کامران کے تمام شعری مجموعوں میں خواب، تمنا، دعا، آرزو، خواہش، صدا، پھول، تتلی، آنسو، بہار اور خزاں، جیسے الفاظ بھی ایک رجائیت آمیز ماحول و فضا کی تشکیل کرتے ہیں۔ بہ ظاہر مختلف الفاظ جو ہر نظم میں ایک ہی معنویت کی توسیع کرتے نظر آتے ہیں ان میں کچھ لفظ مثلاً خواب اپنی اصل میں ابہام جب کہ دعا میں اسرار اور صدا میں تحیر کے عناصر محسوس ہوتے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ تمام استعارے جس فضا کی تعمیر کرتے ہیں، اس میں ایک دلکش اور دل رُبا کیفیت پائی جاتی ہے جو قاری میں سرشاری اور بے خودی کا احساس پیدا کرتی ہے۔یعنی جیلانی کامرانِ کی نظمیں اپنے اس آسلوب و آہنگ کے لحاظ سے اپنے عہد کی شاعری سے بہت حد تک مختلف اور منفرد ہیں جس کے باعث وہ اپنے ہم عصر شعراء میں جدید اُردو نظم کے ایک توانا شاعر ہیں۔

کِھل گئے پُھول تو تِتلی نے کہا
پُھول ہی پُھول ہیں ___ کِس پُھول کو دیکھوں، چاہوں،
کِس کے سایے میں رُکوں
کِس کی خوشبو میں مہک بن جاؤں
کوئی اَن جانا سا نغمہ گاؤں؟
(کِھل گئے پھول / باقی نظمیں، ص: ۳۲)
کبھی رستے میں مِل پاؤ
صدا بن کر، صبا بن کر، مہک بن کر
اگر گُزرو، ٹھہر جاؤ!

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

(وعدے کا دن / باقی نظمیں، ص: ۲۹)

آؤ مل کر

ڈھونڈنے نکلیں میٹھے میٹھے خواب

بچے بوڑھے مائیں بہنیں

دُنیا کے سب بسنے والے

کب سے ہیں بے تاب!

(ایک صدا ہے گلی محلے / اور نظمیں، ص: ۴۴)

"اپنے ہم عصروں میں جیلانی کامران اس لحاظ سے بھی ایک انفرادیت رکھتے ہیں کہ اُن کے لہجے میں رجائیت اور اُمید کا پہلو ترقی پسندوں سے بھی زیادہ ہے۔ وہ مستقبل کو حال کے پیمانے پر نہیں بلکہ ماضی اور ماضی بعید، یعنی انسان کے لاشعور میں پوشیدہ اس کے درخشاں ماضی کے حوالے سے روشن اور شاداب دیکھتے ہیں۔"

(۱۳)

جدید اُردو نظم کے دوسرے شعراء کی نسبت جیلانی کامران کی شاعری کے اختتامی دور میں جو استعارہ زیادہ نکھر کر ہمارے سامنے آتا ہے وہ "بچہ" کا ہے چونکہ جیلانی کامران اپنے عہد کے دوسرے شعراء سے مختلف اور منفرد حیثیت رکھتے تھے۔ اس لیے "بچہ" جیسے استعارہ کے ذریعے مستقل کی اُمید کو ظاہر کرتے ہیں جو دنیا کی تقدیر بدل دے گا۔ یعنی وہ بچوں کو آنے والے روشن مستقبل کا وارث اور تابناک زمانے کا امین سمجھتے ہیں۔ اس لیے اُن کی اختتامی دور کی شاعری میں بچوں سے باتیں، بچوں کی باتیں اور بچوں کے رنگ میں باتیں بہت نمایاں اور واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہیں۔ وہ بچوں کی صورت میں نئے خواب دیکھنے کے خواہاں ہیں، ان خوابوں کا مرکز نئی نسل ہے جو آنے والے کل کو سنوارنے اور نکھارنے کی علامت ہے۔ شاعر انسان کی زندگی کو بچے کی صورت میں زندہ دیکھتے ہیں اور موت سے گھبراتے ہیں کیوں کہ جیلانی کامران کے نزدیک موت اُمید سے دور ہونے کا نام ہے، وہ مایوسی کی کیفیت سے بہت دور کی بستی میں بسنے اور دوسروں کو بستہ دیکھنے کے خواہش مند تھے۔ وہ ان بچوں کو آنے والے کل کا سہارا قرار دیتے ہوئے ان کے چہروں کو چمک اور خوشبو سے ویران دنیا کو مہکتا اور گُھپ اندھیروں میں ڈوبے کل کو روشن ہوتا دیکھتے ہیں۔

اپنے اپنے خواب سناؤ

پیارے بچو

خوشی خوشی سے آؤ جاؤ پیارے بچو

چھوٹے چھوٹے خواب سناؤ

پیارے بچو!

(خواب سناؤ / اور نظمیں، ص: ۵۰)

ننھے دیکھ

یہ کیسی پیاری دُنیا ہے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

جس میں خوشبو بن کر تُجھ کو جینا ہے

ننھے! تُجھ سے دُور
مَیں جب چھپ جاؤں گا
تُجھ کو اپنے پاس مَیں دیکھ نہ پاؤں گا
کیا تم تتلی بن کر ڈھونڈنے نکلو گے
مجھ سے ملنے نکلنے گے؟
(ننھے دیکھ / اور نظمیں، ص: ۹۲)

"وہ بچوں کو اِس تابناک زمانے کا امین سمجھتے ہیں، لہٰذا اِس روشن مستقبل کے وارث بھی انہیں یہی ننھے منے بچے نظر آتے ہیں۔ وہ پھولوں اور پرندوں جیسے ننھے منے بچوں کو دیکھتے ہیں تو اُن کی شکل میں ایک ایسے زمانے کو بھی دیکھتے ہیں جو دنیا کی تقدیر بدل دے گا، انسان کے لیے باغِ دنیا کو ممکن کر دے گا۔" (۱۴)

جیلانی کامران نے اُردو شاعری کی روایت میں نئی شاعری کے ضمن میں جو نظمیں تخلیق کی ہیں۔ ان نظموں میں وہ ایک پختہ اَدبی شعور، ارد گرد کے حالات کا ادراک، مستقبل کی فکر، انسان کے دکھ درد، کرب اور مسائل کا احساس، نئے اور منفرد استعاروں، تشبیہات، علامتوں کا استعمال، نئے مغربی اَدبی رجحانات سے استفادہ اور نظریاتی پابندی سے گریز کرنے والی اَدبی و فکری تحریک "حلقہ اربابِ ذوق" کے معیاراتِ شعر کے مطابق فکری انجماد کو توڑ کر نئی ہیئتوں اور نئے موضوعات کو پیش کرنے والے اپنے عہد کے توانا شاعر کے طور پر اُردو شعر اَدب میں ایک اہم مقام و مرتبہ رکھتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ جیلانی کامران کے بیٹے ایثار کامران سے (لاہور، مقالہ نگار کا ایک انٹرویو، مؤرخہ ۱۵/ اکتوبر، ۲۰۱۹ء)
۲۔ علی، احتشام، "جدید اُردو نظم میں عصری حسّیت" (لاہور، سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء)، ص: ۱۱۱
۳۔ عنبرین منیر، ڈاکٹر، "جدید اُردو نظم میں نفسیاتی عناصر"، (فیصل آباد، مثال پبلشرز، ۲۰۱۷ء)، ص: ۳۵۱
۴۔ عارف فہمتین، "جیلانی کامران، شخصیت اور فن" (بحوالہ)، (لاہور، تحقیقی مقالہ برائے ایم۔ اے، اُردو اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۹۱ء)، ص: ۲۸۰
۵۔ ہاشمی، طارق، "اُردو نظم اور معاصر انسان"، (اسلام آباد، پورب اکادمی، ۲۰۱۵ء)، ص: ۱۵۹، ۱۵۸
۶۔ عنبرین منیر، ڈاکٹر، "جدید اُردو نظم میں نفسیاتی عناصر"، (فیصل آباد، مثال پبلشرز، ۲۰۱۷ء)، ص: ۳۵۲
۷۔ غوری، محمد اظہر، " انٹرویو"، (بحوالہ)، (لاہور، مقالہ نگار، ۱۵/ اکتوبر ۲۰۱۹ء)
۸۔ قریشی، الطاف احمد، "ادبی مکالمے"، (لاہور، مکتبہ عالیہ پبلشرز، ۱۹۸۶ء)، ص: ۱۵۷
۹۔ ہاشمی، طارق، "جدید اُردو نظم میں کردار نگاری، (اسلام آباد، مقالہ برائے ایم فل اُردو، مملوکہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۰ء)، ص: ۱۳۴
۱۰۔ محسن عباس، ڈاکٹر، "وزیر آغا کی نظم نگاری"، (فیصل آباد، مثال پبلشرز، ۲۰۱۴ء)، ص: ۷۰

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

۱۱۔انور سدید،ڈاکٹر،"اُردو ادب کی تاریخ"،(لاہور، عزیز بک ڈپو پبلشرز، ۲۰۱۳ء)،ص: ۵۲۰

۱۲۔جیلانی کامران،"حلقہ ارباب ذوق اور نئی نظم"، مشمولہ، مقالات،(حلقہ ارباب ذوق)،مرتب، سہیلا احمد،(لاہور، پولیمر پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء)،ص: ۱۸۵

۱۳۔ضیاء الحسن،ڈاکٹر،"دیباچہ"،"باقی نظمیں"،(لاہور، ملٹی میڈیا افیئر، ۲۰۰۹ء)،ص: ۱۶،۱۹

۱۴۔ایضاً،ص: ۱۶